رِستے زخم

چراغ ہبلوی

دھارواڑ، کرناٹک، موبائل:9972948706

وہ اسکول کی معلّمہ تھی۔اس کا نام نصرت بانو تھا۔وہ اسم با مسمیٰ تھی۔ جانے انجانے ہر کسی کی مدد کرنا اس کا ایمان تھا۔اتنی پر خلوص، انسانیت پذیر کسی نے دیکھا نہیں تھا۔وہ ہر مذہب ودھرم کا احترام کرتی۔ اس کے اسکول میں ہر مذہب کے بچے پڑھتے تھے۔بچوں کو آپسی محبت و انسانیت کا درس دیا جاتا۔ایک صاف ستھرے ماحول میں بچے ہر مذہب کا احترام کرتے تھے۔قرآن کی آیتوں کے ساتھ اشلوک بھی پڑھائے جاتے تھے۔گرنتھ اور بائبل کی بھی تشریح کی جاتی تھی۔بچوں کو یہی نقطۂ نظر سمجھایا جاتا کہ کوئی بھی مذہب نفرت کی تعلیم نہیں دیتا۔سارے مذاہب انسانیت کا پیغام دیتے ہیں۔نفرت،فرقہ پرستی کے لیے مذہب میں کوئی جگہ نہیں۔آج بھی لوگ اس کی پر جوش تقریر کو یاد کر کے اپنی آنکھیں بھگو لیتے ہیں جو اس نے شہر کے فسادات کے بعد کی تھی۔

''آج ہم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔آدمیت کے نام پر شیطانیت کا کام کر رہے ہیں۔مذہب کے نام پر خون کی ہولی کھیلی جارہی ہے۔گلی کوچے معصوموں کے خون سے رنگے جارہے ہیں۔سنسان سڑکوں پر نوخیز لڑکیوں کی چیخیں اٹھتی ہیں ویران گھروں میں بیواؤں کی آہیں ابلتی ہیں۔ماں کا کلیجہ چھلنی ہوتا ہے۔بوڑھے باپ کی آنکھیں آنسوؤں سے سوکھ جاتی ہیں۔انسانیت سسکتی ہے۔دم توڑتی ہے۔چند مٹھی بھر حیوان اپنے مفاد کے لیے وہ کچھ کر جاتے ہیں جسے دیکھ کر شیطان بھی شرما جاتا ہے...؟اب ہمیں یہ اونچ نیچ کا راستہ چھوڑنا ہوگا۔زندگی ایک انمول خزانہ ہے۔اللہ نے،بھگوان نے کیا اسی لیے زندگی دی ہے کہ اسے اس بے دردی سے لٹایا جائے۔ہرگز نہیں۔'' وہ چاہتی تھی کہ ایک ایسا معاشرہ، ایک ایسا ماحول بنایا جائے جہاں صرف انسانیت کی ہوائیں چلیں اور ایسا ماحول بنانے کے لیے اس نے کچے ذہنوں کو چنا تھا۔کیونکہ ان کچے ذہنوں کو تراشا جاسکتا تھا۔جب یہ بچے اپنی تعلیم مکمل کر کے باہر نکلیں تو امن وآشتی کا پیغام لے کر نکلیں اور ساری دنیا کو نفرت کے انگاروں سے چھٹکارا دلائیں۔وہ اچھی طرح جانتی تھی۔نفرت کیا ہوتی ہے۔نفرت کی پاداش میں کیا قیمت چکانی پڑتی ہے۔نفرت انسان کو سلگتے ہوئے جہنم کے کس گڑھے میں لے جا کر پھینکتی ہے۔نفرت کی وہ کالی رات اب بھی رہ رہ کر اسے ناگن کی طرح ڈستی تھی،جس اماوس کی رات اس کے شوہر کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔اس کا ایک چھوٹا سا آشیانہ تھا۔شوہر کی بے پناہ محبت میں اپنے آشیانہ کو پیار ومحبت سے سجائے ہوئی تھی۔چار چہکتے پھدکتے،دولڑکیاں،دولڑکے تھے۔بڑے سلیقہ سے وہ اپنی گھرہستی کو چلا رہی تھی۔سب خوش تھے۔انھیں کسی سے کوئی گلہ،کسی سے کوئی شکوہ نہیں تھا۔ہر کوئی انہیں چاہتا تھا۔شوہر تاجر وسماج سیوک تھا۔وہ بچوں اور عورتوں کو پڑھا لکھا کر زندگی کا سلیقہ سیکھاتی تھی۔زندگی ہنسی خوشی گزر رہی تھی کہ....اچانک...نفرت کی ہوا چلی اور اس تیزی سے چلی کہ اس کے آشیانہ کو لے اڑی۔بے پناہ چاہنے والے شوہر کی موت نے اسے تہس نہس کر دیا۔وہ ٹوٹ کر بکھر گئی۔یوں اچانک کسی عورت کی خوشیاں چھن جائیں تو کس المناک درد میں وہ جیتی وہی جان سکتی ہے۔دلاسے،صبر کی تلقین تو ہوتی رہتی ہے،مگر یہ زخم کتنے گہرے ہوتے ہیں اور روح کس قدر لہولہان ہوجاتی ہے اس کا احساس صرف اسے تھا۔میٹھی یادیں تلخ بن کر جب اس کے دماغ کو جھنجھوڑتیں تو اس کی بے قراری اسے اندر ہی اندر کھوکھلا کر دیتی۔وہ گھنٹوں روتی۔بچے ماں کے آنسو پونچھتے۔وہ بھی لپٹ کر رونے لگتے۔یہ ایسا زخم تھا جس سے ہمیشہ ٹیسیں اٹھتی تھیں۔ آرزوئیں اندر ہی اندر گھٹنے لگتیں۔وہ سوچتی کہ مرنے والے کے ساتھ کوئی مر کیوں نہیں جاتا۔کہیں ''ستی'' کی رسم صحیح تو نہیں تھی؟ شوہر کی جدائی میں کروٹیں بدل بدل کر بلکتی رہی،تڑپتی رہی..مگر کب تک...وہ اپنے بچوں کو دیکھ کر لرز جاتی۔بچوں کی بے بسی اور ان کے مایوس چہروں پہ آنسو کے قطرے....اس سے رہا نہ گیا۔اس نے اپنے آپ کو ہمت کی دبیز چادر سے ڈھک لیا۔پھر اس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ اپنے بچوں کے

لیے زندہ دلی سے جیئے گی ۔زندگی یوں ہی آنسوؤں سے نہیں کٹتی۔وہ اپنے بچوں کو انسانی نفرت سے دور رکھے گی۔اس گاؤں کو نفرت سے چھٹکارا دلائے گی۔فسادات کے زہر کو تریاق میں بدل دے گی۔لوگوں کے گندے وتعصب بھرے ذہنوں کو پاک کرے گی۔خون کی ہولی کھیلنے والوں کو محبت کے ایک دھاگے میں باندھے گی۔اس نے سوچا.. یہ کام اب تقریر وتحریر سے نہیں ہوگا۔اس کے لیے تو کچھ الگ سا کرنا پڑے گا۔ اسی لیے اس نے ایک ایسا اسکول کھولنے کا ارادہ کیا جہاں ہر مذہب کے بچے پڑھ سکیں۔ان بچوں کو لے کر وہ ایک نیا سماج بنائے گی۔پھر اس نے چند بچوں کو لے کر اسکول چلانا شروع کیا۔اس کے لیے اسے بہت محنت اور منت سماجت کرنی پڑی۔کچھ لوگوں کے اعتراض ومخالفت کے با وجود یہ ننا سا پودا اب پندرہ سالوں میں ایک تناور درخت بن چکا تھا۔جب کبھی گاؤں میں کوئی بات بگڑ جاتی یہ بچے امن وشانتی کا جلوس نکالتے۔ ان کے ساتھ مولوی، پنڈت، فادر سب ہوتے۔ وہ خوش تھی۔اپنے مقصد میں وہ کامیاب ہوتی نظر آرہی تھی۔ان سب باتوں سے پرے اس کے اپنے بچوں کے اندر ایک چنگاری سلگ رہی تھی۔ نفرت کی چنگاری...جس کی نذر ان کا باپ ہوا تھا۔شاید ماں اس سلگتی چنگاری کے احساس سے بے خبر تھی۔وہ تو اپنے بچوں کو بڑھتا، اور سب کے ساتھ پڑھتا دیکھ کر مطمئن تھی، مگر جب کبھی کہیں بھی فساد کی خبر اڑتی ...تو بچوں کی چنگاری اور سلگتی...کبھی تیز ہو جاتی....کبھی مدھم...ان کا دماغ پھٹتا..دل بے قرار ہوا ٹھتا...خیالات کی رو بھٹکنے لگتی...وہ چاہتے کہ کوئی قدم اٹھائے...تبھی ایک ہیولیٰ ان کے سامنے آکر کھڑا ہو جاتا..اپنی ماں کا...جو انسانیت کا درس دیتی آرہی تھی، لیکن وہ کیا کریں...برسوں سے سلگ رہی چنگاری کو سرد کیسے کریں....اور کیوں کر۔انھوں نے بہت کچھ کھویا تھا۔بہنوں کی آبرو ریزی کا وہ منظر جو ڈرے ڈرے دبکے اپنی آنسوؤں بھری آنکھوں سے دیکھا تھا....کیسے بھلا سکتے تھے۔دو دن تک باپ کی لاش دفنائی نہیں گئی تھی۔وہ منظر اب بھی آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا تھا۔ان لوگوں کو دیکھ کر وہ تلملا اٹھتے۔قانون کے کچھ نہ کرنے اور اپنی بے بسی پر گھٹتے رہتے تھے...جانے کہاں سے پھر ایک بار نفرت کی وہ آندھی اٹھی جس سے سارا گاؤں خون خرابہ میں ڈوب گیا تھا۔وہ اپنے اسکول کے مائک سے لوگوں کو پر امن رہنے کی تلقین کرتی جارہی تھی۔ موقع ملتے ہی وہ ایک بڑے گھر میں گھس گئی اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگی:

''دیکھئے مکھیا جی....آپ چاہیں تو یہ خون خرابہ روک سکتے ہیں۔اس گاؤں کو شانت رہنے دیجئے۔میں نے اپنے پتی کے قتل اور بیٹیوں کی بے عزتی سب بھلا کر معاف کر دیا ہے۔صرف اس لیے کہ میرے جیسا نصیب کسی اور کا نہ ہو۔نفرت نہ صرف دل ودماغ کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ بلکہ سارے معاشرے کو بھی تباہ وبرباد کر دیتی ہے۔اس نفرت کو روک لیجئے... اس سے کچھ حاصل نہیں ہوگا...سب اس مہان دیش کے باسی ہیں۔ان کو آپس میں اس طرح نہ لڑائیے۔مکھیا جی اس گاؤں کی رکھشا کیجیے۔میں آپ سے بنتی کرتی ہوں۔ادھر اس کے اپنے بچے....ان کی سلگتی چنگاری اب شعلہ بن چکی تھی۔بدلے کی ہوس نے انہیں اندھا کر یا تھا۔''

''اب کی بار بدلہ لینے کا اچھا موقع ملا ہے۔آج ہم اپنے دل کی برسوں کی بھڑاس نکال لیں گے۔''

''ہاں دوست....بہت اچھا موقع ہے۔ہم ان لوگوں کو نہیں چھوڑیں گے.....انھیں ان کے بچوں سمیت جلا کر راکھ کر دیں گے۔''

''ہاں بھیا...میرے اندر تو ایک آگ لگی ہوئی ہے۔اب یہ آگ ان کی لڑکیوں کو لوٹ کر.....انہیں مار کر ہی ٹھنڈی ہوگی۔''

''پر تمہاری ماں..''؟

''ماں کو بالکل پتہ نہیں چلے گا کہ..یہ کام ہم نے کیا ہے۔''

''تم نے سارے ساتھیوں کو بتا دیا ہے نا کہاں سے حملہ کرنا ہے؟

''ہاں بھیا..!!.ہمارے نعرۂ تکبیر کی آواز سے وہ گھیراؤ کر کے ہلہ بول دیں گے۔!!''

''تو پھر چلو ہلہ بولو...سب تیار...''

''ہاں''.سارے انگوٹھے کا اشارہ کرتے ہیں۔

نعرۂ تکبیر....اللہ اکبر.....''

اماوس کی اِس رات کئی گھر آگ کے لپٹوں سے سلگ رہے تھے۔ دہکتے شعلے انسانیت کا مذاق اڑا رہے تھے۔لوگوں کی چیخ وپکار سے آسمان پھٹ رہا تھا۔معصوم، بے گناہ، جل، کٹ، مر رہے تھے۔عزتیں داغدار ہو رہی تھیں۔لوگ دروازے پیٹ پیٹ کر بے بس ہو رہے تھے۔کیوں کہ ان کی کنڈیاں باہر سے تالہ لگا کر بند کر دی گئی تھیں۔بڑا گھر آگ کی لپٹوں تھا۔ان آگ لگانے والے بیٹوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ اس آگ میں وہ بھی جل رہی ہے جس نے ساری زندگی نفرت کو مٹانے میں گزاری تھی۔

◆◆◆